

رمضان المبارک

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ

اسلام کا ایک اہم رکن اور فریضہ

صوم (روزہ) عربی میں رکنے اور باز رہنے کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں روزہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلق سے باز رہنے کا نام ہے اسلام میں یہ دوسرا اہم فریضہ اور رکن ہے جو ملت مسلمہ پر عائد کیا گیا۔ روزہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ قدیم اور بین المذاہب عبادت ہے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی ملت کوئی شریعت اور کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ فریضہ عائد نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہر قمری مہینے کے ایام بیض میں پابندی سے روزے رکھتے تھے۔ یعنی یہ وہ دن ہیں جن کی راتیں سب سے زیادہ روشن اور منور ہوتی ہیں۔ اور وہ قمری مہینہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخیں ہیں۔ ایام بیض کے روزوں کا یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ تک اسی طرح جاری رہا۔ اور حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے گویا کہ آدم اول سے آدم ثانی تک ایام بیض کے روزہ کی عبادت قائم رہی، البتہ اس میں علماء نے کلام کیا ہے کہ آیا وہ روزے فرض تھے یا تطوع اور نفل کے طور پر رکھے جاتے تھے۔ پھر بنی اسرائیل کے زمانہ میں جس کو ملت یہود کہنا صحیح ہے عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ یوم سبت یعنی ہفتہ اور چند اور روزے فرض تھے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ٹھیک نو مہینے کے بعد جب پہلی مرتبہ محرم کا عاشورہ آیا تو آپ کو یہ خبر ملی کہ یہود مدینہ نے آج روزہ رکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر یہود نے یہ حقیقت ظاہر کی کہ عاشورہ فرعون کے قبضہ سے ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کی قوم کے چھٹکارے کا دن ہے۔ اسی احسان کے شکریہ میں ہماری قوم عاشورہ کا روزہ رکھتی ہے۔ اسی طرح نصاریٰ پر اسی ماہ رمضان کے

روزے فرض تھے۔ جنہیں سردی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے مہینہ تبدیل کر کے اور دس روزوں کا اضافہ کر کے وہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کا پیش کیا ہوا دین نہایت حکیمانہ طریقہ پر بتدریج اور رفتہ رفتہ قائم کیا گیا ہے۔ اور یہ تخلیق کائنات اور تخلیق انسانی کی تدریج کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے توحید کے بعد ملت مسلمہ کو کوئی فریضہ اور کوئی رکن نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ نبوت کے گیارہویں سال میں جب واقعہ معراج پیش آیا تو پہلی بار امت کو نماز کا فریضہ دیا گیا۔ اس تدریج اور تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ دین اسلام محض فکر و نظر کی دقیقہ رسی یا ذہنی و دماغی نکتہ آفرینی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عملی اور محض عملی دین ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر عمل و کردار کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ:۔

"اگر ہمیں لکھنا نہ آئے یا حساب دانی میں مہارت نہ ہو تو یہ ہمارے وجود کو اتنا داغدار نہیں بناتا جتنا کہ بد خلقی' بد عملی یا بد کرداری ہمارے لئے موجب ننگ و عار ہو سکتی ہے"۔

آپ ؐ کا ارشاد گرامی ہے:۔

نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ هٰكَذَا هٰكَذَا

(ہم ایک جماعت ہیں امی کہ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب اور ایسے ہی اور ایسے ہی)

معلوم ہوا کہ دین اسلام سر تاپا عمل اور کردار کا پیکر ہے۔ لٰہذا احکام و اوامر کو عمل و کردار کی شکل میں لانے کے لئے کچھ قدرتی نفسیات اور فطری تقاضے بھی ہیں' اگر کسی قانون و حکم کیلئے اس کے موافق جذبات نہ پیدا کئے جائیں اور اس کیلئے ذہن اور فکر کو استوار نہ کیا جائے تو وہ قانون کتاب کی زینت تو بن سکتا ہے لیکن عمل و کردار کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور دنیا میں وہ قانون اور حکم سب سے زیادہ ناکام ہے جس کے لئے نہ ذہن ہموار کیا گیا ہو اور نہ تربیت سے اس کے موافق جذبات پیدا کئے گئے ہوں۔ خداوند تعالیٰ جو احکم الحاکمین بھی ہے اور سب سے بڑا دانا اور حکیم بھی ہے' حلال اور حرام کے احکام دینے کے سلسلے میں اس نے اپنے کلام میں سب سے پہلے وہ مضامین نازل فرمائے جو عمل کے محرکات اور جذبات و کردار کو ابھارنے والے تھے اور وہ جزا و سزا' حشر و نشر' موت و مابعد الموت اور جنت و جہنم کے مضامین ہیں۔ جب ان مضامین سے فکر و ذہن کی فضا سازگار ہو گئی تو اب اوامر و نواہی

اور احکام کا سلسلہ جاری ہوا' اور جس کا نتیجہ یہ ہوا اور یہی ہونا چاہئے تھا کہ حکم خداوندی کے سنتے ہی کسی تنبیہہ و سرزنش کے بغیر حسن عمل اور حسن اطاعت کے وہ خوش نما منظر آنکھوں کے سامنے آئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی جابر حکومت یا کوئی ملت اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ شراب جیسی چیز جو عرب کی گھٹی میں شامل تھی حرمت کا حکم آتے ہی مدینہ کی گلیوں میں صرف شراب ہی بہتی ہوئی نظر نہیں آئی بلکہ جام و مینا اور اس کے تمام متعلقہ برتن بھی توڑ کر پھینک دیئے گئے۔ اسی لئے نبوت کے گیارہ سال کے بعد نماز کا حکم آیا جو توحید کے بعد اسلام کا پہلا رکن ہے اور ہجرت کے تقریباً ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد روزہ کی فرضیت کا حکم آیا' جو اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے۔

روزہ کی ظاہری شکل فاقہ کشی اور بھوک و پیاس میں مبتلا ہونے کی سی ہے۔ اس وجہ سے روزہ اس دور اور اس زمانہ میں مسلمانوں پر فرض نہیں ہوا۔ جو مسلمانوں کی انتہائی فاقہ کشی اور غربت و ناداری کا دور تھا۔ بالخصوص نبوت کے ساتویں سال سے دسویں سال تک جب کہ بنو ہاشم کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم کو لے کر شعب ابی طالب میں مقیم تھے۔ ان تین سالوں میں مسلمانوں پر غربت و ناداری اور فاقہ کی وہ قیامت ٹوٹی کہ شاید قیامت تک مسلمانوں پر فقر و فاقہ کا کبھی ایسا دور نہیں آئے گا۔ اگر اس زمانہ میں روزہ کا فریضہ عائد کر دیا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کا فقر و فاقہ عبادت کے پردہ میں چھپ جاتا۔ لیکن مستقبل میں آنے والی نسلیں یہ کہتیں کہ روزہ کوئی عبادت نہیں ہے بلکہ فقر و فاقہ کو چھپانے کے لئے ایک سیاسی حربہ اور وقتی تقاضا تھا۔ لہٰذا آج جب کہ مسلمان اس قسم کے فقر و فاقہ سے دوچار نہیں ہیں بلکہ ایک ایک فرد مسلم کے پاس اتنی دولت ہے کہ تنہا آج کے ایک مسلمان کی دولت کا موازنہ اگر حضورؐ کے زمانہ کے تمام صحابہ کی مجموعی دولت سے کیا جائے تو ایک مسلمان کی دولت ان سب کی مجموعی دولت سے بڑھ جائے۔ پس خوش حالی اور تنعم کے دور میں روزہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اسی لئے روزہ اس دور اور اس زمانہ میں مسلمانوں پر فرض ہوا جب کہ مسلمان فقر و فاقہ کی اس آزمائش سے نکل کر خوش حالی کے دور میں داخل ہو گئے۔

ہجرت کے بعد انصار نے اپنے تمام مہاجر بھائیوں کے لئے کاروبار اور معاش مہیا کر کے ان کو ان کے پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا۔ دوسرے کفار مکہ کا وہ قافلہ تجارت جو شام سے چل کر

مکہ آرہا تھا' بطور مال غنیمت کے مسلمانوں کے ہاتھ آیا' اور مسلمان پہلے سے زیادہ آسودہ اور خوشحال ہو گئے۔ اب دنیا کا کوئی انسان اس عبادت پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ روزہ کا حکم وقتی یا فاقہ کشی پر پردہ ڈالنے کی سیاسی تدبیر تھی۔ بلکہ فرضیت صوم کے خوش حال دور کے پیش نظر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس عبادت کا تعلق فاقہ کشوں سے زیادہ شکم سیر اور خوش حال لوگوں سے ہے۔ کیونکہ فاقہ کشی خود اپنی جگہ ایک قسم کی ریاضت اور نفس کشی ہے جو بے چارے غریب کو رو منہ رمضان کے علاوہ بھی سال بھر کے بہت سے دنوں میں حاصل ہوتی رہتی ہے۔ البتہ عیش و عشرت کے متوالے اور دولت و ثروت کے نشہ میں مخمور طبقہ کو روحانی ریاضت اور نفس کشی کا زندگی کے کسی لمحہ میں بھی موقع نہیں ملتا۔ حالانکہ اسی طبقہ کو سب سے زیادہ روحانی اصلاح اور شفا کی ضرورت ہے۔ پس حق تعالیٰ نے روحانی جہاد اور ریاضت نفس کیلئے رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ کی عبادت فرض فرمائی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دوسرے احکام اور عبادتوں کی طرح روزہ کی ایک ظاہری شکل ہے' اور ایک اس کی روح در حقیقت حق تعالےٰ کے یہاں کوئی نیکی اور بندگی اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ اس میں روح اور اس کی حقیقت موجود نہ ہو۔ کھانے پینے اور ازدواجی تعلق سے باز رہنا روزہ کی ظاہری شکل اور اس کی صورت ہے۔ لیکن روزہ کی روح اور اس کی حقیقت روحانی ریاضت اور جذبات معصیت پر کنٹرول اور قابو پانا ہے۔ جس کو شریعت کی اصطلاح میں مجاہدہ" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے روزہ رکھا اور اس نے روزہ میں نہ جھوٹ چھوڑا اور نہ بری اور بیہودہ باتوں سے پرہیز کیا' تو اللہ کو اس کے روزہ کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ یعنی اللہ کی نظروں میں وہ روزہ روزہ کہلانے کا مستحق نہیں جس میں کھانا پینا تو چھوڑ دے مگر معصیت و گناہ نہ چھوڑے' کیونکہ روزہ کا مقصد اور روزہ کی حقیقت نفس پر کنٹرول اور ترک معصیت ہے۔ جذبات معصیت اور نفسانی تقاضوں پر قابو حاصل کئے بغیر سیرۃ و کردار کی تعمیر تو کیا ہوتی کوئی شخص سوسائٹی کا مہذب فرد اور انسانی معاشرہ میں ایک متمدن شہری بھی نہیں بن سکتا۔ انسانی نفسیات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو قسم کے جذبات اور محرکات انسان میں بے پناہ قوت کے ساتھ ابھرتے ہیں اور عام طور پر یہی دو تقاضے اسے معصیت و گناہ کے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ ایک طلب اور خواہش کا جذبہ جو کسی مفید حسین اور جاذب چیز کو حاصل کرنے کے لئے دلوں میں ابھرتا ہے'

اور دوسرا غضب اور مدافعت کا جذبہ جو حصول مقصد اور کامیابی کی راہ میں کسی رکاوٹ اور رخنہ کو دیکھ کر راستہ سے دور کرنے کے لئے ابھرتا اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر روحانی تربیت اور ریاضت نفس کے ذریعہ سے پہلے داعیہ اور جذبہ پر قابو نہ پایا جائے تو انسان حرص و طمع کے مظاہرہ میں جانوروں اور مویشیوں کو بھی شرما دے۔ اور اگر غیض و غضب کی مشتعل قوتوں کو نفس کشی سے کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان وحشت و بربریت اور چنگیزی کا مجسمہ بن جائے۔ لہٰذا تعمیرِ انسانیت اور مہذب و متمدن بننے کے لئے ضروری ہے کہ روحانی تربیت اور ریاضت نفس اختیار کی جائے جس کی بہترین اور کامل صورت روزہ کی عبادت ہے۔

تزکیہ نفس اور اخلاقی تربیت کے ماہرین حضرات صوفیہ نے لکھا ہے کہ تزکیہ نفس اور روحانیت کی مکمل اصلاح کے لئے چار قسم کی ریاضتوں کی ضرورت ہے کم کھانا کم سونا کم بولنا اور لوگوں سے کم کے ساتھ ملنا۔ کیونکہ روحانی بیماریوں اور اس کے اسباب کا تجزیہ کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ زیادہ کھانے' زیادہ سونے' زیادہ بولنے اور زیادہ ملنے جلنے کی وجہ سے طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں اور بری عادتیں انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ کھانے سے جسمانی بیماریوں کے علاوہ روحانی طور پر طبیعت میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ کیفیات بعض اخلاقی کمزوریوں کا یا کم سے کم عملی کوتاہیوں کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس لئے اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے مختصر خوراک اور کم کھانے کا علاج تجویز کیا گیا۔ علیٰ ہذا کثرت نوم اور زیادہ سونا بھی انسان کے ذہن اور فکر کو کند کر دیتا ہے۔ اور روحانیت پژمردہ ہو جاتی ہے۔ پس قلت نوم اور کم سونا بھی اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے ضروری اور ناگزیر ہوا۔ اسی طرح کثرت کلام اور زیادہ بولنا انسان کو خفیف اور غیر ذمہ دار بنا دیتا ہے' اور عام طور پر زیادہ بولنے سے روحانیت پست اور مردہ ہو جاتی ہے۔

دل زپر گفتن بمیرد در بدن — گرچہ گفتارش بود در عدن

(زیادہ بولنے سے دل بدن کے اندر مر جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی گفتگو عدن کے موتی ہی کیوں نہ بکھیر رہی ہو)

اس کمزوری کی اصلاح کے لئے تلاوت قرآن اور ورد تجویز کیا گیا تاکہ اس طرح انسان ہر وقت کی بک بک اور زیادہ بولنے سے محفوظ رہ سکے۔ علیٰ ہذا غیر ضروری تعلقات اور میل جول کی کثرت بھی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی۔ علماء اخلاق نے

اس موضوع پر کافی بحث کی ہے کہ غیر ضروری مراسم و تعلقات کیا کیا خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ اور اگر ہم انسانی زندگیوں میں گوناگوں انقلابات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ تبدیلی اور انقلاب کا واحد سبب مراسم و تعلقات اور انسانوں کا باہمی میل جول ہے۔ نیکوں کی صحبت انسان کو نیک بناتی ہے' اور بروں کے ساتھ میل جول انسان کو برا بنا دیتا ہے۔ اسی لئے علماء اخلاق نے میل جول رکھنے کا یہ زریں اصول دیا ہے۔

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَاحِدَةِ

(یعنی برے آدمی کے ساتھ ہم نشینی اور رفاقت سے تنہائی اور خلوت بہتر ہے اور بھلے اور نیک آدمی کے ساتھ ہم نشینی خلوت و تنہائی سے بہتر ہے)

پس معلوم ہوا کہ غیر ضروری مراسم و تعلقات اور میل جول کی کثرت اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ناپسندیدہ اور مضر ہے۔ پس میل جول کی کمی بھی روحانی و اخلاقی ریاضتوں میں ایک ریاضت اور علاج تجویز کیا گیا ہے۔ اور وہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت اور پابندی اختیار کی۔

روزہ کا یہ وہ اہم پہلو بھی ہے جو تزکیہ نفس اور روحانی تربیت سے متعلق ہے۔ روزہ کے بعض اور بھی قابل توجہ پہلو ہیں۔ وہ یہ کہ ہر عبادت کی ایک ایسی امتیازی شان اور خصوصیت ہوتی ہے جو دوسری عبادتوں میں نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر سر جیسی عظمت والی چیز زمین میں ڈال کر اظہار عبدیت کی جو شان نماز میں ہے وہ کسی دوسری عبادت میں موجود نہیں۔ مال و دولت کی محبت کو دل سے دور کرنے کی جو خاصیت زکوۃ میں ہے وہ اور کسی عبادت میں نہیں۔ اسی طرح روزہ بندہ اور خدا کے درمیان ایک مخفی راز ہے۔ جس کی کسی تیسرے کو خبر نہیں اور یہ خصوصیت روزے کے سوا کسی اور عبادت میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے یہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مقبول عبادت ہے۔

اعتکاف!

رمضان کا آخری عشرہ اور اس کی عبادتیں

آخری عشرہ کی فضیلت و برتری باقی عشروں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ ہے کہ یہ عشرہ دوگنا اور دوچند قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی راتیں بھی عبادتوں سے ایسی ہی پر ہیں جیسے کہ

اس کے دن عبادتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آخری عشرہ کی عبادتوں میں سے ایک نہایت اہم اور روحانی اصلاح کے لئے اکسیر عبادت اعتکاف ہے۔ عربی میں اس لفظ کے معنی ہیں گوشہ گیری اور خلوت و تنہائی اختیار کرنا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ

(یعنی تمہارے لئے ازدواجی تعلق روا نہیں ہے اس حالت میں کہ تم مسجد میں خلوت گزیں اور معتکف ہو)۔

شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے بہ نیت عبادت مسجد میں خلوت گزیں ہونا۔ کم سے کم ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور ان کی راتیں' اعتکاف میں دن کا شمار غروب آفتاب سے لگا کر اگلے دن غرب آفتاب تک ہے۔ کیونکہ اسلام میں قمری نظام کے پیش نظروں اور تاریخ کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے' اور اگلے دن غروب آفتاب پر ختم ہو جاتی ہے۔

اعتکاف کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آخری زندگی تک ہیشگی اور مداومت اختیار کی اور کسی ایک سال بھی آپ نے ناغہ نہیں فرمایا۔ بلکہ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عشرہ کا بھی اعتکاف فرمایا۔ پھر دوسرے اور تیسرے عشرے کا بھی۔ گویا کہ رمضان کے پورے مہینہ کا اعتکاف بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لیکن جس پر پابندی اور دوام اختیار فرمایا وہ آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اسی لئے فقہا نے کہا ہے کہ اعتکاف موکدہ علی الکفایہ ہے۔ موکدہ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اعتکاف کی اہمیت اور اس کے ضروری ہونے کو ثابت فرمادیا۔ اور علی الکفایہ سے مراد یہ ہے کہ اگر محلے کے کسی ایک مسلمان نے بھی اعتکاف نہ کیا تو محلے کے تمام مسلمان ترک اعتکاف اور ترک سنت کے گنہگار ہوں گے۔ البتہ کسی ایک شخص نے بھی سنت اعتکاف پر عمل کر لیا تو محلہ کے تمام مسلمان ترک سنت کے وبال سے بچ جائیں گے۔ لیکن کسی مسلمان کو وبال سے بچنے پر اکتفا اور قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ سعادتوں اور برکتوں کے حصول میں سب کو پیش قدمی اور مسابقت اختیار کرنی چاہئے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اعتکاف کی بہت سی فضیلتیں اور اس کا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے۔ مردوں کو اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہیئے جہاں پنج وقتہ نمازیں جماعت سے ادا کی جاتی ہوں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ مسجد جامع میں اعتکاف کیا جائے۔ تاکہ جمعہ کی نماز کے لئے اعتکاف کی جگہ نہ چھوڑنی پڑے۔ عورتوں کیلئے بھی اعتکاف اتنی ہی اہم عبادت ہے جیسی مردوں کے لئے۔ البتہ عورتوں کو اپنے گھروں میں اعتکاف کے لئے خلوت کی کوئی جگہ بنا لینی چاہیئے۔ اور اسی جگہ اعتکاف کا پورا وقت گزارنا چاہیئے۔

● اعتکاف کے لئے روزہ بھی ضروری ہے اور مسجد بھی۔ مسجد کی پابندی سے صرف عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اور اعتکاف اپنی پوری پابندیوں کے ساتھ ایک دن کا ہو یا اس سے زیادہ کا ہر حال میں یہ اعتکاف کی ظاہری صورت اور قالب ہے۔ اس اہم عبادت کا ثواب یا اس کی تاثیر اسی وقت ظہور پذیر ہو سکتی ہے جب اعتکاف اپنی حقیقت اور روح کے ساتھ کیا جائے۔ اور اعتکاف کی حقیقت یا اس کی روح دینی اعتبار سے ناجنس اور ناموافق ماحول سے علیحدگی اور یک سوئی حاصل کر کے خلوت و تنہائی کو اختیار کرنا' قلب و ذہن کی توجہ کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دینا' معرفت خداوندی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اور ان کو ترقی دینا ہے۔ کیونکہ خلوت اور گوشہ نشینی تو فلاسفہ اور حکماء کی اصطلاح اور ان کا معمول رہا ہے' مگر اسلام کی نظر میں اشراقی حکماء کی یہ خلوت اور تنہائی روحانی اصلاح اور تربیت باطن کے لئے نہ صرف یہ کہ ناکافی ہے' بلکہ بعض اوقات اس سے مضر اور مہلک نتائج اور اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اشراقی حکماء اور جوگیوں میں خلوت سے اور انسانوں سے دور کسی غار اور کھوہ میں

● طرح الگ تھلگ بیٹھنا ہے کہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ ممکن ہے کہ اس طرز اور طریقہ سے فکر کی ریاضت پوری ہو جائے اور اس ریاضی فکر سے طرح طرح کے عجائبات اور شعبدہ بازیاں ظاہر ہونے لگیں مگر روحانیت اور فکر کی وہ تعمیری تربیت اس خلوت سے نہیں حاصل ہو سکتی جو اسلام کا مقصد ہے اور جس کی تکمیل کی خاطر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اسلام کے پیش نظر فکر کی ریاضت سے نگاہوں کو فریب دینے والے حالات اور شعبدوں کا اظہار نہیں بلکہ فکر انسانی کی سب سے بڑی ریاضت یہ ہے کہ اس میں اللہ اور اللہ کا رسول رچ جائے۔ اور ماسوا اللہ سے فکر انسانی پاک ہو جائے۔ اسی لئے اسلام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے ذریعہ سے کائنات عالم میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

یَن کائنات عالم میں غور و فکر کے بے شمار طریقے اور بہت سے انداز ہو سکتے ہیں' مثال کے طور پر اگر کسی سنسان راستے میں اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی نظر آئے تو اس پر غور و فکر کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس راستہ سے ضرور کوئی اونٹ گذرا ہو گا۔

کے دیتی ہے شوخی نقش پا کی ۔۔۔ ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی

اور فکر کا یہ انداز بھی غلط ہے نہ قابل اعتراض۔

غور و فکر کا دوسرا انداز یہ ہے کہ اس کو کسی معمل اور تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں لے جا کر اس کے اجزاء اس کی تاثیر اور اس کے نقصانات اور فائدوں پر غور کیا جائے کہ آیا کھاد کے اعتبار سے یہ مفید ہے یا مضر اور نباتات کے نشو نما میں یہ کہاں تک اثر انداز ہو سکتی ہے' غور و فکر کا یہ انداز بھی نہ معیوب ہے نہ قابل الزام بلکہ انسانی ضروریات میں معاون اور مفید ہے۔

علیٰ ہذا راستے میں پڑی ہوئی اونٹ کی مینگنی پر سوچ بچار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اس پر غور کرے کہ اونٹ ببول کے درخت اور پتے کھاتا ہے اور اس کا فضلہ پیٹ میں کروی اور گول شکل کیسے اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے تشریح الابدان کا ماہر ڈاکٹر آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اندرون شکم بناوٹ اور ساخت کیسی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرز فکر سے بھی نہ کوئی نقصان ہے اور نہ اس میں کوئی برائی۔ مگر فکر و ذہن کے مذکورہ بالا تمام اندازوں کو جائز اور صحیح ماننے کے باوجود یہ بڑی حیرت کی بات ہے' بلکہ نعمت فکر کی انتہائی قدر ناشناسی اور ناشکری ہے کہ اس پر اس واضح انداز اور طریقہ سے غور نہ کیا جائے کہ جس نے ایسا جانور بنایا اور جس نے پیٹ کے اندر فضلہ کے اجزاء کو ایسی ساخت اور بناوٹ دی اور جس نے اس کے فضلہ میں نباتات کے نشو نما کے لئے اعلیٰ درجہ کی کھاد کی خاصیت عطا فرمائی' وہ خود کتنا بڑا احسن الخالقین اور دانا اور حکیم ہو گا۔ اہل فکر کی کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق پر ہر حیثیت سے غور کرنے کو تیار لیکن مخلوقات سے خالق کو پہچاننے اور خالق کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ اس کائنات میں اللہ نے آسمان و زمین میں جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان کی خواہ کتنی ہی خاصیتیں اور تاثیریں ہوں لیکن تخلیق کائنات کا سب سے بڑا مقصد معرفت اور خدا شناسی کی نشاندہی کرنا اور رہنمائی کرنا ہے۔ اسی لئے ایک مومن اور عارف ہر چیز کو اللہ کے وجود کی نشانی سمجھتا ہے۔ اور اس کی نظر میں وہ معرفت اور خدا شناسی کا زینہ

وہم نشینی اور اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے باطن اور روحانیت کے اعتبار سے اس قسم کی خلوت و تنہائی میں انسان کی نظر صرف اپنے کمال اور اپنی ریاضت پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح عبادت کی راہ سے انسان میں کبر و نخوت اور غرور آ جاتا ہے اور نخوت و پندار اللہ کی نظر میں اتنا بڑا مبغوض اور سنگین جرم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔

حدیث میں آیا ہے۔

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلَةٍ مِنْ كِبْرٍ

جنت میں وہ شخص ہرگز داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عظمت و کبریائی حق تعالیٰ کی ممتاز صفت اور مخصوص شان ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار قرآن کریم میں خود ہی فرمایا۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور اسی کے لئے ہے کبریائی زمین اور آسمانوں میں اور وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

پس جو شخص نخوت و غرور میں مبتلا ہے وہ عظمت و کبریائی میں شریک ہو کر اللہ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ ابلیس اور شیطان کے گرنے اور مردود ہونے کی اصل وجہ بھی قرآن کریم نے اسی انانیت اور کبر و نخوت کو قرار دیا ہے۔

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ

یعنی شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے شاید اسی آیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد   بزندان لعنت گرفتار کرد

پھر نخوت و پندار میں بھی وہ نخوت سب سے زیادہ بری اور معیوب ہے' جو حسن و جمال کی یا ثروت و کمال کی راہ سے نہیں' بلکہ عبادت و بندگی کی راہ سے انسان کے دل و دماغ میں داخل ہو جائے۔ کیونکہ بندگی کا اصل مقصد اور اس کا مطلب ہی اپنی انتہائی عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا اپنے کو ہیچ و ریچ سمجھنا اور اپنے اندر عبدیت کی شان پیدا کرنا ہے۔ لیکن اگر عبادت و بندگی سے اپنی بزرگی اور برتری اور بڑائی کا خیال پیدا ہو جائے تو مقصد بندگی فوت ہو

گیا۔

ادھر علماء اخلاق نے یہ لکھا ہے کہ کبرو خود پسندی تمام رذائل کی جڑ ہے۔ جس سے ہر قسم کی روحانی برائی اور اخلاقی خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خلوت و تنہائی کی وہ شکل جس میں انسان صرف اپنے کمال اور اپنی بزرگی کو دیکھے' یقینی طور پر کبرو غرور اور نخوت پیدا کر دے گی ۔ لیکن اگر اللہ کے نیک بندوں سے میل ملاقات اور اختلاط رکھے گا تو اپنے کمال کو دیکھنے کی بجائے دوسرے کے کمال کا مشاہدہ کرے گا۔ اور اپنے کمال سے نظر ہٹ جائے گی۔ پس اسلام نے روحانیت اور باطن کو نقصان پہنچانے والی خلوت و تنہائی سے بچایا ہے۔ اس کے علاوہ بسا اوقات خلوت و تنہائی میں وساوس اور برے خیالات انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں اور جوں جوں تنہائی کا وقفہ بڑھتا جاتا ہے معصیت و نافرمانی کے خیالات بھی زور پکڑتے جاتے ہیں اور اس طرح کی خلوت روحانی اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔

خیالات نادان خلوت نشیں بہم برزند عاقبت کفر و دیں

پس اسلام نے جس قسم کی خلوت و تنہائی تجویز کی ہے وہ حکماء اشراقین کی خلوت اور جوگیوں کی تنہائی سے بہت اعلیٰ اور بلند ہے۔ جس کے لئے جنگل و بیابان اور پہاڑوں کے بجائے بستی اور شہر کی مسجد کو تجویز کیا گیا ہے' جس میں روزہ کی عبادت کو شرط قرار دیا گیا ہے ۔ اور جس میں نہ میل ملاقات کو ممنوع قرار دیا گیا اور نہ بولنے بات کرنے سے روکا گیا۔ بلکہ صرف ایسے ماحول ایسی فضا اور ایسی مصروفیتوں سے الگ تھلگ رکھا گیا ہے جو عام طور پر توجہ الی اللہ میں رکاوٹ بنی رہی ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے متعلق ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

وَيَعْتَكِفُ الذُّنُوبَ

معتکف وہ ہے جو گناہوں سے علیحدگی اور گوشہ گیری اختیار کرے

صالحین اور اولیاء اللہ کے ساتھ جلوت و صحبت اس خلوت سے ہزار درجہ بہتر ہے جس میں فیوض و کمالات سے بھی محروم رہے اور شیطان کے پھندے میں پھنسنے کا خطرہ بھی لاحق رہے۔ کسی عارف نے سچ کہا ہے۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی!
ورت مال و جاہست و زرع و تجارت چو دل با خدا ایست خلوت نشینی!

اس سے قبل پیش کی جانے والی تشریح اور وضاحت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ اشراقیین اور جوگیوں کی خلوت و تنہائی یا رہبانیت الگ چیز ہے' اور اعتکاف کی گوشہ گیری اور عزلت نشینی بالکل مختلف اور دوسری چیز ہے۔ اسی لئے اسلام میں لفظ بھی خلوت یا رہبانیت کا اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے لئے لفظ اعتکاف اختیار کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ اسلام کے پیش نظر حکماء اشراقیین کی طرح فکر میں کوئی غیر معمولی یافت پیدا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک فکر کی ریاضت یا فکر کی تربیت اور فکر کی وہ عبادت ملحوظ ہے' جس سے توجہ الی اللہ اور دھیان اللہ کی طرف ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے اس لئے اعتکاف کی غرض و غایت اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے محققین علماء نے لکھا ہے کہ مقصد اعتکاف تحنث اور فکر کی عبادت ہے۔ اس لئے کہ فکر کی عبادت پر انسانی زندگی کے انقلاب اور تعمیر اخلاق کا دارومدار ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے کچھ روز پہلے غار "حرا" میں تشریف لے جاتے تھے اور بیشتر وقت وہیں تنہائی میں گذار کر واپس آتے تھے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس وقت تک نہ قرآن کریم کی کوئی سورۃ نازل ہوئی تھی کہ جس کی تلاوت آپ غار حراء میں کرتے ہوں نہ ابھی نماز کا حکم آیا تھا' کہ آپ تنہائی میں سر بسجود ہوں۔ پھر وہ کونسی عبادت تھی جس کے لئے آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لئے کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔ غار حراء کی عبادت خالص فکر اور تحنث کی عبادت تھی جس کا مقصد تھا اللہ کا دھیان قائم کرنا۔ اور اللہ کو دل میں بسانا جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "مراقبہ" بھی کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ روحانیت جو تربیت اور تزکیہ کی ضرورت سے بے نیاز اور اصلاح و درستگی کے الفاظ سے بلند و بالا تھی تنہائی و فکر کی عبادت سے آزاد اور بے نیاز نہ ہو سکی۔ چنانچہ غار "حراء" کی اس فکری عبادت کے علاوہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ

اور جب آپ تبلیغی کاموں سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں لگ جائیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں

اس آیت میں دو قسم کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کا تقاضا جلوت ہے اور دوسرے کا

تقاضا خلوت ہے۔ تعلیم دین اور تبلیغ احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وہ فریضہ اور پیغمبرانہ کام ہے جس کی تکمیل کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے' اور ظاہر ہے کہ یہ مجلس اور جلوت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرا حال دھیان اور توجہ الی اللہ قائم کرنے سے متعلق ہے' جس کے لئے خلوت و تنہائی اور یکسوئی ناگزیر اور ضروری ہے۔ حالانکہ مجلس اور جلوت میں فرائض کی انجام دہی بھی خالصتاً اللہ کی عبادت اور توجہ الی اللہ ہے۔ مگر ایک توجہ تعمیل فرائض کی وساطت سے ہے اور دوسری توجہ براہ راست اور بغیر کسی واسطے کے ہے۔ حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں نبیؐ کے فرائض کی انجام دہی اور جلوت والی توجہ کو مقام نبوت کہا جاتا ہے اور بلاواسطہ اور براہ راست توجہ الی اللہ کو نبیؐ کے مقام ولایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر وقت دینی اور نیک کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود پھر بھی تنہائی اور یک سوئی میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جس کا آیت میں مطالبہ کیا گیا ہے۔

عامر بن عبد قیس نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی فکر کی عبادت میں ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک ساعت فکر کی عبادت' پوری رات کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

اس تحقیق کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف اور عبادت کی ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو ہے جو اپنے کاروبار اور مشاغل میں اتنے منہمک ہیں کہ ان کو زندگی کے برے بھلے پہلو پر نہ سوچنے کا موقع ملتا ہے' اور نہ اپنی زندگی کا جائزہ لینے کا۔ اور اس طرح رنیا میں مگن ہیں کہ سوتے وقت عالم خواب میں بھی ان کو دنیا کے وہی کاروبار دکھائی دیتے ہیں

ع چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

دنیا کے انہی متوالوں کے بارے میں اکبر الہ آبادی مرحوم نے ٹھیک کہا۔

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار　　　دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرات صوفیہ اور عارفین کے نزدیک اعتکاف کی غرض و غایت اور تخت فکر کی عبادت ہے' جو زندگی میں انقلاب اور صلاح پیدا کرنے کی بنیاد ہے۔

بعض دوسرے محققین علماء نے لکھا ہے کہ اعتکاف کا مقصد انتظار صلوٰۃ اور نماز کے لئے چشم

براہ رہتا ہے' کیونکہ مسجد نماز اور جماعت کی جگہ ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز و جماعت کے انتظار میں کچھ دیر مسجد میں گزارے تو انتظار کی ساعتوں کا مجموعی وقت کل کا کل نماز میں شمار ہو گا۔ اور اس وقت کا ثواب بھی ایسا ہی ملے گا جیسا کہ نماز میں مشغول ہونے سے ملتا ہے۔ پس ایک معتکف جب مسجد میں ایک عشرہ کے لئے قیام کر لیتا ہے تو گویا وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر اور چشم براہ ہے اور جب وہ اعتکاف سے فارغ ہوتا ہے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے کسی شخص نے اکیسویں شب کو غروب آفتاب سے پہلے نماز کی نیت باندھی اور عشرہ کے آخری دن غروب آفتاب کے وقت سلام پھیرا۔ پس پورے عشرہ کے اعتکاف کا ثواب اتنی مقدار میں ملے گا جتنی مقدار میں مسلسل اتنی طویل اور لمبی نماز پڑھنے کا ملتا۔

بعض دوسرے محققین علماء نے اعتکاف کی حقیقت پر دوسرے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اعتکاف درحقیقت یہ ہے کہ ایک بندہ اپنے آقا کے آستانہ پر اپنا بوریا بستر لے کر آپڑا ہے کہ آخر کبھی نہ کبھی تو میری صدا سن جائے گی اور کبھی نہ کبھی نظر کرم سے ضرور نوازا جاؤں گا۔

بقول امیر خسرو۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

پس معتکف آستانۂ خداوندی کا گدائے مبرم ہے۔ جس نے عہد کیا ہے کہ بغیر لئے اس آستانہ کو چھوڑے گا نہیں۔ اور اس آستانہ سے جو کچھ روحانی خزانے اور دولت ملے گی وہ دنیا و مافیہا کی دولت سے بہتر ہو گی۔

بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ مقصد اعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش اور جستجو ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش لیلۃ القدر کے لئے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا' پھر دوسرے عشرہ میں اعتکاف کیا اور پھر تیسرے عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ چونکہ لیلۃ القدر صرف اس مہینہ کی راتوں ہی میں مقدس اور بابرکت نہیں ہے' بلکہ خیر و برکت میں سال بھر کی کوئی رات بھی اس کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتی' اس کا پانا بہت بڑے شرف اور بہت بڑی فضیلت کو پالینا ہے اور وہ رمضان کے آخری

عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی سی ایک رات ہے۔ بعضوں نے جفت رات میں ہونا بھی نقل کیا ہے' لیکن مشہور اور صحیح قول یہی ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اس کی تلاش اور اس کی جستجو کے لئے مسجد کا ایسا ماحول اختیار کیا جاتا ہے جس میں غفلت کا امکان کم ہے' اور شب بیداری اور سحرخیزی کا امکان زیادہ۔ بہرصورت مذکورہ بالا مقاصد اور حکمتوں میں سے کوئی ایک مقصد بھی ہو اور یا ممکن ہے کہ تمام مقاصد اس میں شامل ہوں' اعتکاف اپنی جگہ نہایت اہم ہے اور زندگی کی کایا پلٹنے کے لئے نہایت اکسیر عبادت ہے۔ اس عبادت کے فوائد گنتی نہیں ہیں کہ الفاظ سے سمجھائے جاسکیں بلکہ چشیدنی ہیں کہ تھوڑی دیر خلوت و تنہائی میں اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ایمان کی جلا اور ایمان کے نور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ع ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

مذکورہ بالا وضاحت سے اگرچہ یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اعتکاف ترک دنیا' رہبانیت یا حکمائے اشراقین کی ریاضت فکر نہیں ہے' بلکہ خلوت در انجمن قسم کی ملی جلی عبادت کا نام ہے۔ پھر بھی مادی دور کی بے بنیاد مصروفیتوں میں کم فرصتی یا عدیم الفرصتی کا عذر ضرور پیش کیا جاسکتا ہے۔ متواتر اس کے لئے صرف اتنی گذارش ہے کہ اگر موسم بہار میں تبدیل آب و ہوا کے لئے کسی پہاڑ پر جانے کو وقت نکالنا بھی مصروفیتوں میں سے اہم مصروفیت قرار دیا جا سکتا ہے تو روحانی اعتبار سے تبدیل ماحول کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت کیوں نہیں نکالا جاسکتا یاد رکھئے جسم اپنی تمام تندرستیوں کے باوجود ایک نہ ایک دن خاک ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اور روحانیت یا روحانیت سے پیدا ہونے والا کردار ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے' شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے' اس شب میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں' سراپا سلام ہے وہ شب اسی صفت و برکت کے ساتھ طلوع فجر تک۔

لیلۃ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی عبادتوں میں سے اعتکاف کے بعد دوسری اہم عبادت شب بیداری اور قیام لیلۃ القدر ہے۔ یوں تو زمانے کے اوقات اور اس کی ساعتوں میں سے شب کا حصہ بندگی اور تقرب کے لئے خاص قسم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر پھر بھی سال بھر میں بعض راتیں نہایت مقدس اور محترم ہیں۔ جن میں سے ایک رات ماہ رجب کی ۲۷ ستائیسویں رات ہے۔ جس کو شب معراج کہا جاتا ہے۔ اور دوسری ماہ شعبان کی پندھرویں رات ہے جس کو بعض مفسرین کے قول کی بناپر سورہ دخان میں برکت والی رات کہا گیا ہے۔ اور تیسری رات ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کوئی سی ایک رات ہے۔ جس کو شریعت نے متعین اور مقرر کر کے نہیں بتلایا۔ اس مقدس رات کے نام پر قرآن کریم میں ایک مستقل سورت نازل کی گئی، جس کا نام ہی سورۃ القدر ہے۔ سورۃ قدر میں اس رات کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اللہ کی طرف سے کلام الٰہی اور قرآن کریم نازل کیا گیا۔ اور نزول قرآن کی یہ فضیلت خود اپنی جگہ اس قدر غیر معمولی اور عظیم الشان ہے کہ جس کی وجہ سے یہ رات سال بھر کی تمام راتوں میں سب سے زیادہ ارفع اور اعلیٰ ہے۔ نزول قرآن کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک صرف ایک رات میں کل کا کل قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اور وہ لیلۃ القدر ہے اور آسمان دنیا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک تیس سال کی مدت میں رفتہ رفتہ اور تدریجی طور نازل ہوا ہے۔ لہذا نزول قرآن کی اصل الفضیلت اسی شب قدر کو حاصل ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے ایک شخص سمنون یا شمعون نامی عابد و زاہد کا تذکرہ فرما رہے تھے جس نے ایک ہزار راتیں جاگ کر عبادت میں بسر کی تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حسرت و یاس کے انداز میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! امت محمدیہ کا ظہور دنیا کی زندگی کے آخری حصہ میں ہوا ہے جب کہ نسبتاً عام انسانوں کی عمریں بھی کم اور مختصر ہو گئی ہیں۔ پھر کچھ حصہ بچپن اور بڑھاپے میں گزرتا ہے اور کچھ بیماری اور غفلت میں، تو ہمارے لئے یہ بات کسی طرح ممکن نہیں کہ

پچھلی امتوں کے عابدوں کی طرح ہمیں بھی طویل اور لمبی عبادتوں کا وقت مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس امت کا بڑے سے بڑا عابد و زاہد بھی دوسری امتوں کے عابدوں اور زاہدوں پر برتری اور فوقیت تو کیا حاصل کر سکے گا' برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس امت کو جہاں اور بہت سی خصوصیتوں سے نوازا ہے وہاں یہ بھی اس امت کا طرہ امتیاز ہے کہ اللہ نے ایک ایسی رات عطا فرمائی ہے کہ جس میں جاگنا اور عبادت کرنا ہزار راتوں کے جاگنے اور عبادت کرنے کے برابر ہے اور وہ لیلتہ القدر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری امتوں کے عابدوں اور زاہدوں نے ہزار راتوں کی ریاضت اور عبادتوں سے جو مقام اور جو درجہ حاصل کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام اور ایک امتی صرف ایک رات کی عبادت سے اس مقام اور اس درجہ کو پا سکتا ہے بلکہ اس سے بہتر پا سکتا ہے۔

ہر عبادت و طاعت میں ایک اس کی ظاہری اور محسوس شکل و صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی غرض و غایت اور عبادت کا مقصود ہوا کرتا ہے' عمل عبادت مختصر ہو یا طویل' ہر طاعت کی غرض و غایت اور ہر عبادت کا مقصد اللہ کی نزدیکی اور اس کا قرب ہے۔

لیلتہ القدر کا ماحصل یہ نکلا کہ دوسری ملتوں کے عابد و زاہد طویل اور لمبی لمبی عبادتوں سے قرب کی جس منزل کو حاصل کرتے ہیں امت مسلمہ کو وہی منزل ایک مختصر سے لمحہ طاعت و بندگی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پس قابل لحاظ عمل کی صورت و مقدار یا عمل کی محنت و مشقت نہیں ہے بلکہ مقصد قرب خداوندی ہے جو کسی کو طویل عمل پر میسر آتا ہے اور کسی کو چھوٹے اور مختصر عمل سے نصیب ہو جاتا ہے۔

منزل عشق بے دور و دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ با ہے گا ہے

لیلتہ القدر میں قدر کے علماء نے دو معنی لکھے ہیں ایک قدر و منزلت اور رتبہ دوسرے عظمت و شرف' اول معنی کے اعتبار سے اس رات کو لیلتہ القدر اس لئے کہا گیا کہ نوع انسانی کے ہر عابد و زاہد کا مرتبہ قرب اور اللہ کے یہاں اس کی قدر منزلت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور پورے سال میں قرب خداوندی کا جو مرتبہ عطا کیا جاتا ہے اس کی اطلاع ملائکہ اور فرشتوں کو دی جاتی ہے' بلکہ درجات قرب کے علاوہ دوسرے اہم امور کا تصفیہ اور فیصلہ بھی اسی

شب میں کیا جاتا ہے جیسے عمر، معاش، تندرستی اور موت و حیات۔ اسی لئے علماء کے ایک گروہ نے

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ

(اسی رات میں تمام حکیمانہ کام فیصل کئے جاتے ہیں)

والی رات کا مصداق بھی لیلۃ القدر ہی کی رات کو بتلایا ہے۔ اور یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ جو وقت اور جو ساعت زندگی کے اہم امور کے فیصلہ کی ہوتی ہے اس میں صاحب معاملہ کو ہمہ تن التفات اور مجسم انتظار بننا پڑتا ہے۔ چنانچہ وہ شب جس میں سال بھر کے اہم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں غفلت سے سونا اور کسی دوسرے لایعنی مشاغل میں مصروف رہنا ناپسندیدہ اور برا ہے۔ اور اس شب کا استقبال اور خیر مقدم کا طریقہ صرف شب بیداری اور عبادت ہے۔

دوسرے معنی کے پیش نظر لیلۃ القدر سے مراد عظمت و بزرگی اور شرف والی رات ہے۔ اور جہاں تک اس رات کی عظمت و بزرگی کا تعلق ہے اس کے لئے نزول قرآن کا شرف کافی ہے۔ علاوہ اس کے شرف کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک حق تعالیٰ کی تجلیات بندوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد ہی سے حق تعالیٰ دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں۔ اور بندوں میں اپنی فیاضی کرم اور فضل کا اعلان فرماتے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ (ابن ماجہ، بیہقی)

(ترجمہ):۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت سے آسمان دنیا پر اپنی رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے اور یوں ارشاد فرماتا ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو اس کو بخش دوں کوئی رزق مانگنے والا ہو تو اس کو رزق سے مالا مال کر دوں کوئی بیمار ہو تو اس کو صحت عطا کر دوں اسی طرح صبح صادق تک پکارتے رہتے ہیں۔

گویا کہ سال بھر کے تمام دن اور راتوں میں بندہ اپنے پروردگار کی جستجو اور تلاش میں رہتا ہے۔ اور الطاف و اکرام کا متمنی رہتا ہے۔ لیکن ایک رات ایسی بھی ہے کہ اللہ اپنے

بندوں کی طرف خود بخود متوجہ ہے۔ اور بندوں کو پکار پکار کر اپنی دین اور عطا سے نواز رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰهِ فِیْ اَیَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا

(بلاشبہ تمہاری زندگی کے کچھ ایام میں اللہ کی خصوصی تجلیات ہیں تم ان کی طرف متوجہ رہو)

پس ایسی رات میں اور حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ کے موقع پر غافل رہنا یا سو جانا ایک انسان کی سب سے بڑی کم نصیبی اور محرومی ہے۔

لیلتہ القدر کی عظمت و بزرگی اور اس رات کا شرف عظیم یہ بھی ہے کہ اس مبارک رات میں حق تعالیٰ نے ملائکہ اور فرشتوں کی تخلیق فرمائی جو مجسم خیر اور سرتاپا نور ہی نور ہیں۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ باغ بہشت اور جنت کو بھی اسی مبارک شب میں وجود عطا کیا گیا ہے۔ جو صالحین اور فرماں بردار بندوں کے لئے ابدی آرام گاہ ہے۔ اس رات کی عظمت اور فضیلت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کے لئے خمیر تیار کیا گیا۔ اور مخلوقات عالم میں انسان سے زیادہ اشرف اور بزرگ ترین کوئی مخلوق نہیں پیدا کی گئی۔ نیز یہ کہ اس رات میں ملائکتہ اللہ اور ارواح کا نزول ہوتا ہے۔ گویا کہ اس مبارک رات میں عالم دنیا عالم بالا کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور فرش زمین پر عرش کے مقدس فرشتوں کا ورود ہوتا ہے' اور ملائکہ اور فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے زمین کا موسم اس طرح تبدیل ہو جاتا ہے کہ سخت سے سخت دل نرم اور موم ہو جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے نڈر اور بے باک لوگوں کے دل خوف الٰہی اور خشیت الٰہی سے پتے کی طرح کانپنے لگتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا ایک سیلاب سا امنڈ آتا ہے۔ اسی وجہ سے اس رات کی عبادت میں وہ حلاوت و کیفیت ہے جو زمانہ کی کسی ساعت میں یا کسی شب میں موجود نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ عثمان بن ابی العاص کا ایک غلام تھا جس نے اپنی طویل زندگی جہاز رانی اور ملاحی میں گزاری تھی۔ اس نے عثمان بن ابی العاص سے کہا کہ میں نے دریا کے بے شمار عجائبات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں ایک چیز سب سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے' وہ یہ کہ سمندر کا کڑوا پانی سال بھر کی راتوں میں سے ایک رات میں شیریں اور میٹھا ہو جاتا ہے۔ عثمان بن

ابی العاص نے کہا کہ آئندہ جب کبھی ایسا ہو تو مجھے ضرور اطلاع کرنا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کونسی رات ہے اور اس رات کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ چنانچہ ان کے غلام نے رمضان کی ستائیسویں شب کو خبر دی کہ یہ وہی رات ہے جس کے متعلق میں نے سمندر کا پانی میٹھا ہو جانے کی خبر دی تھی۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس رات حق تعالیٰ اپنی مخصوص شان رحمت کے ساتھ نزول اجلال فرماتے ہیں۔ میٹھا پانی رحمت خداوندی اور انعام کا مظہر ہے اور تلخ پانی عذاب الٰہی اور غضب کا مظہر ہے۔ پس حق تعالیٰ کی مخصوص شان رحمت سے اگر سمندر کا تلخ پانی میٹھا ہو سکتا ہے تو اس مخصوص رحمت خداوندی سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے گناہ اور معصیت اور نافرمانی کے ان اثرات کو زائل فرما دیں جو اس کے غضب اور عذاب کا سبب بن سکتے ہیں اور ان کے قلوب میں نرمی اور توبہ کی وہ کیفیت پیدا فرما دیں جو اس کے فضل اور بے پایاں رحم و کرم کا باعث بنے۔

لیلۃ القدر اپنی جامعیت اور عظمت کے لحاظ سے قبولیت کی ایسی مقدس رات قرار پائی کہ جس میں تھوڑی سی عبادت بھی برسوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اجر و ثواب کا دارومدار کسی کار خیر اور نیک عمل کے کمی بیشی اور مقدار پر نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات چھوٹے سے چھوٹا عمل خیر اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑی بڑی نیکیوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہماری اس معمولی سی نیکی میں قبولیت کی ایسی شان پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے اعمال اس کے سامنے ہیچ اور بے وقعت ہو جائیں۔ کسی عمل میں اجر و ثواب کا چند در چند اضافہ بالعموم جگہ اور مقام کی خصوصیت کی بنا پر ہوتا ہے یا ساعت عمل اور اوقات کی تقدیس کی بنا پر ہوتا ہے۔ جیسے نماز کہ اگر گھر میں پڑھی جائے تو اس کا اجر و ثواب اور ہے اور جو مسجد میں ادا کی جائے تو اس کا ثواب گھر کی نماز سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ یہی عبادت نماز اگر بیت اللہ میں ادا کی جائے تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ گھر سے کہیں زیادہ مسجد میں اللہ کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور عام مسجدوں سے کہیں زیادہ مسجد حرام اور بیت اللہ میں تجلیات خداوندی کا ظہور ہوتا ہے' بلکہ خانہ کعبہ تجلیات خداوندی کا مرکزی مقام ہے۔ اسی طرح زمانہ کی بعض ساعتیں اور اوقات بھی ہیں' جیسے لیلۃ القدر کہ خداوند قدوس کے نزول اجلال

کی بنا پر اور ملا ئکۃ اللہ کے ورود کی وجہ سے اس ایک شب کی عبادت کا ثواب ہزار ہا راتوں کی عبادت سے کہیں زیادہ ہے۔

رہی یہ بات کہ عظمت و شرف کی یہ مقدس رات رمضان کی کون سی مخصوص اور معین رات ہے؟ سو روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کا صحیح مصداق اور اس کی تعین وحی کے ذریعہ بتلائی گئی تھی۔ اور اس قسم کی خبر آپ کی پیغمبرانہ عظمت و بزرگی کے شایان شان بھی تھی۔ لیکن بعد میں امت کی حکیمانہ مصلحتوں کی خاطر آپ کے ذہن سے فراموش کرادی گئی اور اس طرح لیلۃ القدر کی تعیین میں ابہام اور اخفا کی شان پیدا ہو گئی۔

اس نظام کائنات میں بعض مخصوص چیزیں انسانوں کے علم اور ان کی دانست سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ جن میں خود بندوں کی بڑی بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی ساعتوں میں سے ایک ساعت دعا کی قبولیت اوار اجابت کی ساعت ہے لیکن اس مخصوص ساعت کو انسانوں کے علم سے مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یا پانچ نمازوں میں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز کی بڑی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تعیین پوشیدہ اور مبہم ہے۔ یا اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے ایک نام "اسم اعظم" ہے' جس کے بڑے عجیب عجیب خواص ہیں مگر اس کی تعیین کو مبہم اور مخفی رکھا گیا ہے اور جس طرح اللہ کا ولی اور اللہ کا مقرب بندہ یا وقت وفات اور ساعت قیامت ان سب چیزوں کو شریعت نے انسانی علم کے اعتبار سے غیر معین اور مخفی رکھا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر جمعہ کی ساعتوں میں سے قبولیت کی ساعت حاصل کرنا ہے تو اس کے حصول کے آسان طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کی تمام ساعتیں عبادت و بندگی میں گزاری جائیں یا "صلوٰۃ وسطیٰ" کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے اس احتمال پر کہ ہر نماز صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق بن سکتی ہے تمام نمازوں کی پابندی اور ان کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ایسے ہی اللہ کے ناموں میں اسم اعظم کو تلاش کرنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمام اسماء الٰہیہ کو پڑھے اور ان کا ورد کرے۔ علیٰ ہذا اللہ کے مقرب اور ولی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کو اپنے سے بہتر' نیک اور اللہ کا ولی سمجھے۔

پس لیلۃ القدر کے اخفاء میں بھی یہی مصلحت کار فرما ہے کہ ایک شب کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر رمضان کے آخری عشرہ کی تمام راتوں کو جاگ کر گزارنا چاہئے۔ کسی